

ولایت اور ہجرت

<?xml encoding="UTF-8">

ہجرت کا شمار اُن مسائل میں ہوتا ہے جو ولایت کے بارے میں ہمارے پیش کردہ وسیع مفہوم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ پچھلی تقاریر میں ہم نے عرض کیا تھا کہ ولایت کے معنی ہیمومنین کی صف میموجود عناصر کے مابین مضبوط اور مستحکم باہمی رابطے کا قیام، مومن اور غیر مومن صفوں کے درمیان ہر قسم کی وابستگی کا خاتمہ اور بعد کے مراحل میں مومنین کی صف کے تمام افراد کا اُس مرکزی نقطے اور متحرک قوت یعنی ولی، حاکم اور امام سے انتہائی مضبوط اور قوی ارتباط جس کے ذمے اسلامی معاشرے کی تنظیم و تشکیل ہے۔ ہم نے اِس بارے میں بھی گفتگو کی تھی کہ کون اشخاص اسلامی معاشرے کے ولی اور حاکم ہو سکتے ہیں اور اِس کا جواب قرنِ کریم سے حاصل کیا تھا، جو کہتا ہے کہ :

”إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ۔“ (۱)

اور اِس بیت کے حوالے سے ہم نے امیر المومنین صلوات اللہ علیہ کے قصے کی جانب اشارہ کیا تھا۔ ۱۔ تمہارا ولی امر صرف خدا، اُس کا رسول اور وہ مومنین ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکات دیتے ہیں۔ (سورہ مائدہ ۵۔ بیت ۵۵) اشارہ کیا تھا۔

اگر ہم ولایت کو اس وسعت کے ساتھ سمجھیں اور اسے فروعی اور دوسرے درجے کا مسئلہ قرار دے کر چھوڑ نہ دیں، تو ولایت قبول کرنے کے بعد جن چیزوں کا سامنا ہوسکتا ہے اُن میں سے ایک چیز ہجرت بھی ہے۔ کیونکہ اگر ہم نے خدا کی ولایت کو قبول کیا اور اس بات کو مان لیا کہ انسان کی تمام جسمانی، فکری اور روحانی قوتوں اور صلاحیتوں کو ولی الہی کی مرضی اور منشا کے مطابق استعمال ہونا چاہئے،

مختصر یہ کہ انسان کو اپنے وجود کے تمام عناصر کے ساتھ بندہ خدا ہونا چاہئے، نہ کہ بندہ طاغوت، تو لامحالہ ہمیں یہ بات بھی قبول کرنی پڑے گی کہ اگر کسی جگہ ہمارا وجود ہماری ہستی اور ہماری تمام صلاحیتیں ولایتِ الہی کے تابع فرمان نہ ہوں، بلکہ طاغوت اور شیطان کی ولایت کے زیر فرمان ہوں، تو خدا سے ہماری وابستگی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم اپنے پ کو طاغوت کی قید و بند سے آزاد کرائیں اور ولایتِ الہی کے پُر برکت اور مبارک سائے تلے چلے جائیں۔ ظالم حاکم کی ولایت سے نکل کر امامِ عادل کی ولایت میں داخل ہوجانے کا نام ہجرت ہے۔

پ نے دیکھا کہ ہجرت ولایت سے منسلک مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے۔ یہ وہ چوتھا نکتہ ہے جس پر ولایت کے بارے میں کی جانے والی اِن تقاریر کے سلسلے میں ہم گفتگو کریں گے۔

انفرادی ہجرت ایک انسان کو طاغوت اور شیطان کی ولایت کے تحت نہ سے کیوں بچنا چاہئے ؟ اس سوال کا جواب ایک دوسرے سوال کے جواب سے وابستہ ہے، اور ہم پ سے چاہتے ہیں کہ پ فوراً اپنے ذہن میں اس سوال کا اِس انداز سے تجزیہ و تحلیل کیجئے گا کہ پ خود اپنے پاس موجود اسلامی اور مذہبی تعلیمات اور معلومات کے مطابق اِس کا جواب دے سکیں۔ اس کے بعد اگر پ کا جواب اُس جواب جیسا نہ ہوا جو ہمارے ذہن میں ہے اور ہمارے جواب سے مختلف ہوا، تب اس موضوع پر گفتگو کی گنجائش رہے گی۔

سوال یہ ہے کہ: کیا طاغوت کی حکومت میں رہتے ہوئے مسلمان نہیں رہا جاسکتا ؟
کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک مسلمان شیطان کی ولایت کے تحت زندگی بسر کرے ، لیکن رحمان کا بندہ ہو ؟
ایسا ہوسکتا ہے یا نہیں ؟

کیا یہ ممکن ہے کہ: انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں اور اسکی حیات کے تمام گوشوں پر ایک غیر الہی عامل کی حکمرانی ہو‘ انسانوں کے جسموں اور اُن کی فکروں کی تنظیم و تشکیل اور اُن کا انتظام وانصرام ایک غیر الہی عامل کے ہاتھ میں ہو‘ یہی غیر الہی عامل افرادِ معاشرہ کے جذبات و احساسات کو بھی کبھی اِس رُخ پر اور کبھی اُس رُخ پر دھکیل رہا ہو اور انسان اِس قسم کے طاغوتی اور شیطانی عوامل کے قبضہ قدرت میں زندگی بسر کرنے کے باوجود خدا کا بندہ اور مسلمان بھی ہو۔

کیا یہ چیز ممکن ہے ‘یا ممکن نہیں ہے ؟

پ اِس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کیجئے اور اپنے ذہن میں اِس کا جواب تیار کیجئے ‘ دیکھئے یہ ہوسکتا ہے یا نہیں ہوسکتا ؟

اِس سوال کا جواب دینے کے لئے خود اِس سوال کا کچھ تجزیہ و تحلیل کرنا ضروری ہے ‘ تاکہ جواب واضح ہو جائے ۔
ہم نے پوچھا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی انسان شیطان کی ولایت کے تحت ہو‘ اِسکے باوجود مسلمان بھی ہو ؟

اِس سوال کے دو اجزا ہیاور ہمیں چاہئے کہ ہم اِن دو اجزا کا درست تجزیہ و تحلیل کریں ‘ اور دیکھیں کہ اِن کے کیا معنی ہیں ؟

پہلا جز یہ ہے کہ کوئی شخص شیطان کی ولایت کے تحت ہو۔

شیطان کی ولایت کے تحت ہونے کے کیا معنی ہیں ؟

اگر ولایت کے اُن معنی کو جو ہم نے یاتِ قرنی سے اخذ کئے ہیں ‘ ”ولایتِ شیطان“ کی عبارت کے پہلو میں رکھیں ‘ تو معلوم ہو جائے گا کہ ولایتِ شیطان سے کیا مراد ہے ۔

ولایتِ شیطان سے مراد یہ ہے کہ شیطان (شیطان کے اُنہی مجموعی معنی کے مطابق جنہیں ہم نے بار بار بیان کیا ہے) انسان کے وجود میں پائی جانے والی تمام توانائیوں ‘ صلاحیتوں ‘ تخلیقی قوتوں اور اعمال پر مسلط ہو اور انسان جو کچھ انجام دے وہ شیطان کے معین کردہ دستور کے مطابق ہو‘ انسان جو کچھ سوچے وہ اس سمت میں ہو جس کا تعین شیطان نے کیا ہے ‘ اُس انسان کی طرح جو کوہساروں سے نیچے بہنے والے سیلاب کی لپیٹ میں ہو۔ اس انسان کو یہ بات پسند نہیں ہوتی کہ وہ سخت اور کھردری چٹانوں سے ٹکرائے اور اُس کا سر پاش پاش ہو جائے ‘ اُسے یہ بات پسند نہیں ہوتی کہ وہ اس پانی میں بہتے ہوئے گہرے گڑھے میں جا پڑے ‘ اُسے یہ بات پسند نہیں ہوتی کہ پانی کی ان موجوں کے درمیان اُس کا دم گھٹ کے رہ جائے۔ باوجود یہ کہ اُسے پسند نہیں ہوتا لیکن پانی کا یہ تیز و تند ریلا بغیر اُسکی مرضی کے اُسے بہائے لئے جاتا ہے ‘ وہ ہاتھ پاؤں بھی مارتا ہے ‘ وہ کبھی اِس طرف اور کبھی اُس طرف سہارا بھی لیتا ہے ‘ راستے میں نے والے پودوں اور درختوں کو پکڑنے کی کوشش بھی کرتا ہے ‘ لیکن پانی کا تیز بہاؤ اُسے بے اختیار بہائے لئے جاتا ہے ۔
ولایتِ طاغوت اور ولایتِ شیطان اسی قسم کی چیز ہے ۔

لہذا یٰتِ قرن کہتی ہے:

”وَجَعَلْنَهُمَا أُمَّةً يَدْعُونَ إِلَى الْتَارِ۔“

”ایسے رہنما اور قائدین بھی ہیں جو اپنے پیروکاروں اور زیرِ فرمان افراد کو دوزخ کی گ اور بد بختی کی طرف

کھینچے لئے جاتے ہیں۔“

(سورہ قصص ۲۸۔ یت ۴۱)

قرنِ مجید کی ایک دوسری یت فرماتی ہے :

”أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ الْكَافِرِينَ وَآخَلُوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ .“ (۱)

کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کی نعمت کا کفران کیا ؟

وہ نعمت جس کا اُن لوگوں نے کفران کیا ’کیا تھی؟

نعمتِ قدرت ’جو پروردگار کی قدرت کا مظہر ہے ’دنیوی طاقتیں ’انسان کے معاملات کے نظم و نسق کی

نعمت ’انسانوں کی بکثرت صلاحیتوں ’ افکار اور قوتوں کو ہاتھ میں رکھنے کی نعمت ’ یہ سب کی سب چیزیں

نعمت ہیں اور ایسے سرمائے ہیں جو انسان کے لئے خیر کا سرچشمہ ہوسکتے ہیں ۔

اس یت میں جن افراد کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اُن کی فرمانروائی میزندگی گزارنے والاہر انسان ایک عظیم اور

بزرگ انسان بن سکتاتھا اور کمال کے بلند ترین درجات تک رسائی پاسکتاتھا۔ لیکن ان لوگوں نے نعمات کا کفران

کیا اور جس مقصد کے لئے اُن سے استفادہ کرنا چاہئے تھا اُس مقصد کے لئے اُنہیں استعمال نہ کیا ۔

اسکے بعد فرماتا ہے :

”وَآخَلُوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ“ (اور وہ خود جانتے بوجہتے ’ اپنی قوم اور اپنے زیرِ فرمان لوگوں کو نیستی و نابودی اور

ہلاکت کے گڑھے کی طرف لے گئے)

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ (انہیں جہنم کی طرف لے گئے ’ جس میں الٹے منہ پھینکے جائیں گے اور یہ کیسی

بُری جگہ اور ٹھکانہ ہے)

یہ یت امام موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام نے ہارون کے سامنے پڑھی اور ہارون کو یہ بات باور کرائی کہ تو وہی

شخص ہے جو اپنی قوم کو اور اپنے پ کو بد ترین منزل اور مہلک ترین ٹھکانے سے ہمکنار کرے گا ۔

ہارون نے (امام سے) سوال کیا تھا کہ کیا ہم کافر ہیں ؟ اُسکی مراد یہ تھی کہ کیا ہم خدا ’ پیغمبر اور دین پر

عقیدہ نہیں رکھتے ہیں ۔

لہذا امام نے اُسکے جواب میں اس یت کی تلاوت فرمائی ’ تاکہ اسے یہ بات ذہن نشین کرادیں کہ کافر فقط وہی

شخص نہیں ہوتا جو صاف اور صریح الفاظ میں خدا کا انکار کرے ’ یا قرن کو جھٹلائے ’ یا پیغمبر کو مثلاً افسانہ

کہے۔ ٹھیک ہے کہ اس قسم کا شخص کافر ہے اور کافر کی بہترین قسم سے ہے جو صریحاً اپنی بات کہتا ہے اور

انسان اسے پہچانتا ہے اور اسکے بارے میں اپنے موقف کا اچھی طرح تعین کرتا ہے ۔

کافر سے بدتر شخص وہ ہے جو ان عظیم نعمتوں کا کفران کرے جو اسے میسر ہیاور اُنہیں غلط راستے میں

استعمال کرے ۔ ایسا شخص نہ صرف اپنے پ کو بلکہ اپنے ماتحت تمام انسانوں کو جہنم میں جھونک دیتا ہے ۔

طاغوت کی ولایت ایسی ہی چیز ہے ۔ وہ شخص جو طاغوت کی ولایت میزندگی بسر کرتا ہے ’ اُسے گویا اپنے اوپر

کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا ۔ ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ وہ بالکل ہی بے اختیار ہوتا ہے ۔ بعد میں جب ہم یہ قرن

کے معنی بیان کریں گے ’ تو اس نکتے کی تفسیر واضح ہوجائے گی۔ البتہ وہ شخص سیلابی ریلے کی زد پر ہوتا ہے

اور اُس میں بہا چلا جاتا ہے ۔ وہ ہاتھ پاؤں مارنا چاہتا ہے ’ لیکن نہیں مار پاتا ’ وہ دیکھتا ہے کہ تمام لوگ جہنم

کی طرف جارہے ہیں اور اُسے بھی اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ لہذا وہ جہنم کے راستے سے پلٹنا چاہتا ہے ۔ {لیکن بے

بس ہوتا ہے}

کیا پ کبھی کسی مجمع میں پھنسے ہیں ؟ اس موقع پر پ کا دل چاہتا ہے کہ ایک طرف ہوجائیں ’ لیکن مجمع

پ کو ایک تنکے کی طرح اٹھا کر دوسری طرف پھینک دیتا ہے ۔

ایسا شخص جو طاغوت کے زیرِ ولایت ہو ’

وہ چاہتا ہے کہ نیک بن جائے ’ صالح زندگی بسر کرے ’ ایک انسان کی طرح زندگی گزارے ’ مسلمان رہے اور مسلمان مرے ’

لیکن ایسا نہیں کر سکتا ۔

یعنی معاشرے کا ریلا اسے کھینچ کر اپنے ساتھ لئے جاتا ہے ’ اور اس طرح لئے جاتا ہے کہ وہ ہاتھ پاؤں بھی نہیں مار سکتا ۔ وہ اگر ہاتھ پاؤں مارتا بھی ہے ’ توسوائے اپنی قوت کے زیاں کے اسے کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہوتا ۔ وہ نہ صرف ہاتھ پاؤں نہیں ماریپاتا ’ بلکہ اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ کبھی کبھی وہ اپنی حالت کو بھی نہیں سمجھ پاتا ۔

مجھے نہیں معلوم پ نے سمندر سے شکار ہوتی مچھلیوں کو دیکھا ہے یا نہیں ۔ کبھی کبھی ایک جال میں ہزاروں مچھلیاں پھنس جاتی ہیں ’ جنہیں سمندر کے وسط سے ساحل کی طرف کھینچ کر لاتے ہیں ’ لیکن اُن میں سے کوئی مچھلی یہ نہیں جانتی کہ اُسے کہیں لے جایا جارہا ہے ’ ہر ایک یہ تصور کرتی ہے کہ وہ خود اپنے اختیار سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے ۔ لیکن درحقیقت وہ بے اختیار ہوتی ہے ’ اُسکی منزل وہی ہوتی ہے جس کی جانب جال کا مالک وہ شکاری اسے لے جا رہا ہوتا ہے ۔

جاہلی نظام کا غیر مرئی جال انسان کو اس سمت کھینچتا ہے جس سمت اس جال کی رہنمائی کرنے والے چاہتے ہیں ۔ اس نظام میں زندگی گزارنے والا انسان بالکل نہیں سمجھ پاتا کہ وہ کہاں جارہا ہے ۔ کبھی کبھی تو وہ اپنی دانست میں یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ وہ سعادت اور کامیابی کی منزل کی طرف گامزن ہے ’ جبکہ اُسے نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جہنم کی طرف جارہا ہے : جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَ يَبْسُ الْقَرَارُ ۔
یہ ولایتِ طاغوت اور ولایتِ شیطان ہے ۔

یہ پہلی عبارت اُن دو عبارتوں میں سے ایک تھی جن سے مل کر (مذکورہ بالا) سوال بنا تھا ۔ اور سوال یہ تھا کہ کیا طاغوت اور شیطان کی ولایت اور حکومت میں رہتے ہوئے مسلمان نہیں رہا جاسکتا ؟
اجمالاً ہم نے طاغوت کی ولایت اور حکومت میں زندگی گزارنے کو سمجھ لیا ہے ۔ یعنی یہ جان لیا ہے کہ اس سے کیا مراد ہے ۔ اگر ہم اسکی تفسیر کرنا چاہیں ’ تو ایک مرتبہ پھر تاریخ کی طرف پلٹ سکتے ہیں ۔

پ دیکھئے بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانے میں عالمِ اسلام کس جوش و خروش سے محو سفر تھا ۔ دیکھئے اُس دور کے اسلامی معاشرے میں علم و دانش کی کیسی عظیم لہر اُٹھی تھی ’ کیسے کیسے عظیم طبائپیدا ہوئے تھے ’ زبان دانی اور عمومی علمی افلاس کے اُس دور میں عالمِ اسلام میں کیسے عظیم مترجمین پیدا ہوئے تھے ’ جنہوں نے قدیم تہذیبوں کے عظیم ثار کو عربی زبان میں ترجمہ کیا اور اُن کی نشر و اشاعت کی ۔ مسلمان تاریخ ’ حدیث ’ علومِ طبیعی ’ طب اور نجوم کے شعبوں ’ حتیٰ فنونِ لطیفہ میں بھی انتہائی ممتاز مقام کے مالک تھے ۔ یہاں تک کہ ج بھی جب فرانس سے تعلق رکھنے والے گسٹاف لوبون کی مانند ایک شخص ’ یا کوئی اور مصنف اور مستشرق ان ظاہری باتوں کو دیکھتا ہے ’ تو اسلام کی دوسری ’ تیسری اور چوتھی صدیوں کو اسلام کے عروج کی صدیاں قرار دیتا ہے ۔

گسٹاف لو بون نے ” چوتھی صدی ہجری میں تاریخِ تمدنِ اسلام “ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے ۔ ایک ایسا تمدن جسے وہ ایک عظیم تمدن سمجھتا ہے اور چوتھی صدی ہجری کو اس عظیم تمدن کی صدی بیان کرتا ہے ۔
مجموعی طور پر جب کوئی یورپی مستشرق دوسری ’ تیسری اور چوتھی صدی ہجری پر نگاہ ڈالتا ہے ’ تو وہ دنگ

رہ جاتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اُس وقت کے اسلامی معاشرے میں گزرمیاں، صلاحیتیں اور لیاقتیں ظاہر ہوئی تھیں۔

لیکن ہم پ سے سوال کرتے ہیں کہ یہ تمام سرگرمیاں اور صلاحیتیں، جو اس دور میں ظاہر ہوئیں، کیا ان کا نتیجہ اسلامی معاشرے اور انسانیت کے مفاد میں برآمد ہوا؟

ج اُس زمانے کو دس صدیاں گزر چکی ہیں اور ہم اس زمانے کے بارے میں کسی تعصب کا شکار نہیں ہیں اور غیر مسلم دنیا کے با لمقابل ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ عالم اسلام تھا جس نے جامعات کی بنیاد رکھی، یہ عالم اسلام تھا جس نے فلسفے کی تشکیل کی، یہ عالم اسلام تھا جس نے طبابت اور طبیعیات کے میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ لیکن کیا خود اپنے حلقوں میں ہم حق و انصاف کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُن تمام قوتوں اور صلاحیتوں کا نتیجہ ٹھیک ٹھیک، بر محل اور انسانیت اور اسلامی معاشرے کے مفاد میں برآمد ہوا؟ ج دس صدیاں گزرنے کے بعد اسلامی معاشرے کے پاس اُس میراث میں سے کیا باقی ہے؟ اور کیوں باقی نہیں ہے؟

خر وہ علمی اور تہذیبی دولت ہمارے لئے کیوں باقی نہ بچ سکی؟ ہم دس صدی پہلے کے اُس تابناک معاشرے کی طرح ج کیوں دنیا میں درخشاں اور جلوہ نما نہیں؟ کیا اسکی وجہ اس کے سوا کچھ اور ہے کہ وہ تمام سرگرمیاں اور جلوہ نمائیاں طاغوت کی حکمرانی میں رہتے ہوئے تھیں۔

من ن نگین سلیمان بہ ہیج نستائم
کہ گاہ گاہ بر اودست اھر من باشد

ان گمراہ کن قیادتوں نے اسلامی معاشرے کے ساتھ کھیل کھیلا، اور اپنا نام اونچا کرنے اور یہ کہلوانے کے لئے کہ مثلاً فلاں عباسی خلیفہ کے دور اقتدار میں فلاں کام ہوا، مختلف کام کئے۔

اگر یہ حکمران طبیعیات، ریاضی، نجوم، ادب اور فقہ کے میدانوں میں علمی ترقی کی بجائے، فقط اتنی اجازت دیتے کہ علوی حکومت برسر اقتدار جائے، امام جعفر صادق کی حکومت قائم ہو جائے، اسلامی معاشرے کی تمام قوتیں اور صلاحیتیں امام جعفر صادق کے ہاتھ میں جائیں، پورے اسلامی معاشرے کی سرگرمیوں کا تعین امام جعفر صادق کریں۔ اس صورت میں اگر مسلمان علمی اور ادبی لحاظ سے، ان باتوں کے اعتبار سے جن پر ج دنیا نے اسلام فخر نواز کرتی ہے سو سال پیچھے بھی رہتے، تب بھی یہ انسانیت کے فائدے میں ہوتا۔ انسانیت ترقی کرتی، اسلام پھلتا پھولتا، اسلامی معاشرے کی صلاحیتیں اور قوتیں صحیح راہ میں استعمال ہوتیں۔ پھر یہ صورت نہ رہتی کہ کتابیں تو ترجمہ کرتے، طب اور سائنس کے میدانوں میں ترقی کو بام عروج پر پہنچا دیتے، لیکن انفرادی اور اجتماعی اخلاق کے اعتبار سے اس قدر کمزور ہوتے، کہ اُس دور میں پایا جانے والا طبقاتی فرق ج بھی تاریخ میں بطور یادگار محفوظ ہے۔ بالکل ج کی دنیا کے غلیظ اور ذلت میز تمدن کی طرح، کہ ج کی بڑی حکومتیں عقلوں کو دنگ کر دینے والی اپنی ایجادات پر تو فخر کرتی ہیں، مثلاً کہتی ہیں کہ ہم نے فلاں دوا ایجاد کی ہے، فلاں کام کیا ہے، علمی لحاظ سے فلاں شعبے میں ترقی کی ہے، لیکن یہ حکومتیں انسانی اقدار اور اخلاقی اعتبار سے اب بھی ہزار ہا سال پرانی تاریخ جیسے حالات میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ ج بھی بے پناہ مال و دولت، بے انتہا فقر و افلاس کے پہلو بہ پہلو موجود ہے۔ ج بھی غریب ممالک کے لاکھوں، کروڑوں بھوکے انسانوں کے مقابل صرف ایک فی صد انسان دولت کی فراوانی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ اس کے باوجود یہ حکومتیں اپنی سائنسی ترقی پر نازاں ہیں۔

دوسری ' تیسری اور چوتھی صدی ہجری کا عظیم اسلامی تمدن اسی صورتحال سے دوچار تھا۔ اُس دور میں بہت زیادہ علمی ترقی ہوئی ' لیکن امیر طبقے کا راج تھا ' عیش و عشرت کا چلن تھا اور اس کے مقابل انسانیت اور انسانی فضیلتوں سے بے خبری اور طبقاتی اونچ نیچ انتہائی درجے پر موجود تھی۔ اُس زمانے میں بھی ایک طرف لوگ بھوک سے مرتے دکھائی دیتے تھے ' تو دوسری طرف بسیار خوری بہت سے لوگوں کی موت کا سبب بنتی تھی۔ خر کیا وجہ تھی کہ اُس دور کا اسلامی معاشرہ اپنی علمی سرگرمیوں اور نشاط کے باوجود انسانی فضائل و کمالات کا گلستان نہیں بن سکا ؟

دوسری اور تیسری صدی ہجری سے تعلق رکھنے والی جن شخصیتوں کا تذکرہ فخر و ناز کے ساتھ کیا جاسکتا ہے ' اور جن کا نام ہم دنیا میں قابلِ افتخار ہستیوں کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں ' وہ لوگ ہی جنہوں نے اس متمدن نظام کے خلاف شدت سے جنگ کی۔ مثال کے طور پر معلی بن خنیس کا نام لیا جاسکتا ہے ' جنہیں بیچ بازار میں سولی پر لٹکا یا گیا۔ یحییٰ ابن ام طویل کا نام لیا جاسکتا ہے ' جن کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے گئے ' جن کی زبان کھینچ لی گئی۔ محمدا بن ابی عمیر کا نام لیا جاسکتا ہے ' جنہیں چار سو تازیانے مارے گئے۔ یحییٰ ابن زید کا نام لیا جاسکتا ہے ' جنہیں صرف اٹھارہ برس کے سن میں خراسان کی پہاڑیوں میں شہید کیا گیا۔ زید بن علی کا نام لیا جاسکتا ہے ' جن کے جسد کو چار سال سولی پر لٹکائے رکھا گیا۔

یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے ناموں کو ہم ج دنیائے انسانیت کے قابلِ فخر افراد کی فہرست میں جگہ دے سکتے ہیں۔ ان حضرات کا اُس پر شکوہ تمدن سے کوئی تعلق نہ تھا جس کا ذکر گسٹاف لوبون نے کیا ہے ' بلکہ یہ اُس تمدن کے مخالفین میں سے تھے۔

پس دیکھئے کہ جن معاشروں اور جن انسانوں پر طاغوت اور شیطان کی حکمرانی ہوتی ہے اور جن کے معاملات کی باگ ڈور طاغوتی اور شیطانی ہاتھوں میں ہوتی ہے ' اُن معاشروں میں زندگی بسر کرنے والے افراد کی قوتیاستعمال ہوتی ہیں ' اُن کی صلاحیتیں بروئے کارتی ہیں ' لیکن بالکل اُسی طرح جیسے ج کی متمدن دنیا میں کام تی ہیں ' اُسی طرح جیسے اب سے دس گیارہ سو سال پہلے عالمِ اسلام میں کام میں تی تھیں۔ یہ ساری ترقیاں اُسی طرح بے قیمت ہیں جیسے اعلیٰ اقدار اور انسانی فضیلتوں کی نظر میں چوری سے کمایا ہوا مال بے حیثیت ہوتا ہے۔ یہ ہوتی ہے طاغوت کی ولایت اور حکومت۔

ان خصوصیات کے ساتھ کیا طاغوت کی حکومت کے تحت ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کی جاسکتی ہے ؟

ذرا دیکھتے ہیں کہ دراصل مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کے معنی کیا ہیں ؟ مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کے معنی ہیں انسان کے تمام وسائل ' قوتوں اور صلاحیتوں کا مکمل طور پر خدا کے اختیار میں ہونا ' اُس کے مال و دولت اور اُس کی تمام چیزوں کا خدا کے اختیار میں ہونا ' اُس کی جان کا خدا کے اختیار میں ہونا ' اُس کی فکر اور سوچ کا خدا کے اختیار میں ہونا۔

اس حوالے سے بھی ہمارے پاس معاشرے اور مدنیت کی صورت میں موجود اجتماعات اور طاغوتی نظاموں سے سرکشی اختیار کر کے باہر نکلنے والے اور خدا کی طرف ہجرت کرنے والے گروہوں کی مثالیں موجود ہیں۔ پہلی مثال پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ ولہ وسلم کے زمانے میں مدینہ کے معاشرے کی ہے۔ مدینہ ایک "بندہ خدا" معاشرہ تھا ' ایک مسلمان معاشرہ تھا ' وہاں جو قدم بھی اٹھتا راہ خدا میں اٹھتا۔ وہاں اگر یہودی اور عیسائی بھی اسلامی حکومت کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرتے تھے ' تو اُن کی زندگی بھی اسلامی زندگی تھی۔ اسلامی معاشرے میں عیسائی اور یہودی اہل ذمہ افراد بھی اسلام کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں۔ ایسے معاشرے میں اعمال کے

لحاظ سے ایک شخص یہودی ہوتا ہے ' لیکن معاشرے کے ایک رکن کے لحاظ سے اُس مسلمان سے کہیں زیادہ مسلمان ہوتا ہے جو ایک جاہلی نظام کے تحت زندگی بسر کرتا ہے ۔
زمانہ پیغمبرہ میں مال و دولت ' نیزہ و تلوار ' فکر اور سوچ ' تمام انسانی اعمال ' حتیٰ جذبات و احساسات بھی راہِ خدا میں ہوتے تھے ۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے زمانے میں بھی کم و بیش یہی صورت تھی ۔ اس لئے کہ امیر المومنین ' حاکمِ الہی اور ولی خدا ہونے کے ناطے پیغمبر اسلام سے مختلف نہ تھے ۔ لیکن وہ ایک بُرے معاشرے کے وارث تھے ' اُن پیچیدگیوں اور مسائل کے وارث تھے ' اور اگر امیر المومنین کی جگہ خود پیغمبر اسلام بھی ہوتے اور پچیس سال بعد ایک مرتبہ پھر مسندِ حکومت پر جلوہ افروز ہوتے ' تو یقیناً انہی مشکلات کا سامنا کرتے جو امیر المومنین کو درپیش تھیں ۔

گروہی ہجرت

گروہی صورت میں ہجرت کی تاریخی مثال ' ائمہ اہل بیت کے ماننے والے شیعوں کی ہجرت ہے ۔ افسوس کہ ماہِ رمضان ختم ہو گیا اور ہم تفصیل کے ساتھ امامت کی بحث تک نہیں پہنچ سکے ' وگرنہ ولایت کے بعد امامت کی گفتگو کرتے اور پ کو بتاتے کہ ائمہ کے زمانے میں شیعہ کس قسم کا گروہ تھے ' اور یہ بات واضح کرتے کہ شیعوں کے ساتھ امام کے روابط و تعلقات اور پھر شیعوں کے اپنے معاشرے کے ساتھ روابط و تعلقات کی نوعیت کیا ہوا کرتی تھی ۔ لیکن اب ہم مجبور ہیں کہ اسے اجمالی طور پر عرض کریں ۔

شیعہ بظاہر طاغوتی نظام میں زندگی بسر کرتے تھے ' لیکن باطن میں طاغوتی نظام کے یکسر برخلاف گامزن ہوتے تھے ۔ اس سلسلے میں بطور مثال اُس گروہ کا نام لیا جاسکتا ہے جو حسین ابن علی کے ہمراہ تھا ۔ ان لوگوں نے اس سیلاب کا مقابلہ کیا اور اس سیلابی ریلے کی مخالف سمت چلے جو انہیں اپنے ہمراہ بہا کر لیجانا چاہتا تھا ۔ یہ تاریخ میں گروہی ہجرت اور انقلاب کی مثالوں میں سے ایک مثال ہے ۔ لیکن عام افراد ' اور کلی طور پر عرض کریں کہ ایک فرد کسی طاغوتی معاشرے میں زندگی بسر کرتے ہوئے مسلمان باقی نہیں رہ سکتا اور اُس کا وجود ' اُس کے وسائل ' اُسکی قوتیں اور اُسکی تمام تر صلاحیتیں احکامِ الہی کے تابع نہیں رہ سکتیں ۔ ایسا ہونا محال ہے ۔

اگر ایک مسلمان طاغوتی ماحول اور طاغوتی نظام میں زندگی بسر کرے ' تو بہر حال اسکی اسلامیت کا ایک حصہ طاغوت کی راہ پر ہوگا ' وہ خدا کا سو فیصد بندہ نہیں ہو سکتا ۔

اصول کافی جو شیعوں کی معتبر ترین اور قدیم ترین کتابوں میں سے ہے ' اُس میں اس {درج ذیل} حدیث کو کئی طریقوں سے نقل کیا گیا ہے ' پ کتاب الحجہ کے باب " اس شخص کے بارے میں جس نے منصوص من اللہ امام کے بغیر خدا کی عبادت کی " میں مطالعہ کیجئے ' اس روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں :
”إِنَّ أَلَا يَسْتَحْيِي أَنْ يُعَذَّبَ أَمَّهُ دَانَتْ بِإِمَامٍ لَيْسَ مِنْ إِيَّاهُ وَإِنْ كَانَتْ فِي أَعْمَالِهَا بَرَّةٌ تَقِيَّةٌ وَإِنْ أَلَا يَسْتَحْيِي أَنْ يُعَذَّبَ أَمَّهُ دَانَتْ بِإِمَامٍ مِنْ إِيَّاهُ وَإِنْ كَانَتْ فِي أَعْمَالِهَا ظَالِمَةٌ مَسِيئَةٌ۔“ (۲)

عجیب حدیث ہے ' یہ حدیث کہتی ہے کہ وہ لوگ جو خدا کے ولی کی حکومت کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں ' اہل نجات ہیں ' اگرچہ وہ اپنے انفرادی اور نجی افعال میں کبھی کبھار گناہوں میں بھی مبتلا ہو جاتے ہوں ۔ اور وہ لوگ

جو شیطان اور طاغوت کی حکومت کے تحت زندگی بسر کرتے ہیوہ بد بخت اور عذاب کا شکار ہونے والے لوگ ہیں ' اگرچہ وہ اپنے انفرادی اور شخصی کاموں میں نیکو کار اور عملِ صالح انجام دینے والے ہی کیوں نہ ہوں ۔ یہ انتہائی عجیب بات ہے ۔ اگرچہ حدیث کو کئی طریقوں سے بیان کیا گیا ہے ' لیکن سب یہی ایک معنی دیتے ہیں ۔ ہم ہمیشہ اس حدیث کے مفہوم کی وضاحت میں ایک ایسی گاڑی کی مثال پیش کرتے ہیں جس میں پ مثلاً نیشاپور جانے کے لئے سوار ہوں ۔ اگر یہ گاڑی نیشاپور کی طرف چلے گی ' تو پ لازماً اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے اور اگر مثلاً طبس یا قوچان کی طرف جائے گی ' تو لازماً پ اپنی منزل (نیشاپور) نہیں پہنچ سکیں گے ۔ اب اگر نیشاپور جانے والی گاڑی میں سوار مسافر ایک دوسرے کے ساتھ انسانی داب کے ساتھ میل جول رکھیں گے ' تو کیا خوب ' اور اگر انسانی داب اور نیکی و احسان کے ساتھ باہم میل جول نہ رکھیں گے ' تب بھی خرکار نیشاپور تو پہنچ ہی جائیگے ۔ وہ اپنی منزل پر جا پہنچیں گے ' چاہے انہوں نے راستے میں کچھ بُرے کام بھی کئے ہوں ۔ ان برے کاموں کے بھی ثار و نتائج ظاہر ہوں گے ' جنہیں برداشت کرنے پر وہ مجبور ہوں گے ۔ لیکن منزل پر بہر حال پہنچ جائیں گے ۔ اس کے برخلاف وہ گاڑی جسے پ کو نیشاپور لے جانا چاہئے ' وہ پ کو نیشاپور کے بالکل برعکس سمت لے جائے ۔ اگر اس گاڑی کے تمام افراد مودب ہوں ' ایک دوسرے کے ساتھ انتہائی احترام میز سلوک کریں ' ایک دوسرے کے ساتھ خنداں پیشانی سے میل جول رکھیں اور یہ دیکھیں کہ یہ گاڑی نیشاپور کی بجائے قوچان کی طرف جارہی ہے ' لیکن یہ دیکھنے کے باوجود کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کریں ' تو ٹھیک ہے کہ یہ لوگ بہت اچھے انسان ہیں ' ایک دوسرے کے لئے انتہائی مہربان ہیں ' لیکن کیا اپنے مقصد اور منزل پر پہنچ سکیں گے ؟ ظاہر ہے کہ نہیں ۔

پہلی مثال میں گاڑی کا ڈرائیور ایک امین شخص تھا ' ایک محترم و مکرم انسان تھا : اِمَامٌ مِّنْ اِتھَا ' جس نے انہیں منزلِ مقصود پر پہنچادیا ' اگر چہ وہ لوگ بد اخلاق تھے : وَاِنْ كَانَتْ فِیْ اَعْمَالِهَا ظَالِمَةٌ مَّسِیَّةٌ ۔ جبکہ دوسری مثال میں گاڑی کا ڈرائیور راستے ہی سے واقف نہ تھا ' امین نہیں تھا ' خواہشِ نفس کا پجاری تھا ' مست تھا ' راہ سے بھٹکا ہوا تھا ' اُسے قوچان میں کوئی کام تھا اور اُس نے اپنے کام کو لوگوں کی خواہش پر مقدم رکھا ۔ اس گاڑی میں سوار لوگ کسی صورت اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکیں گے ۔ اگرچہ یہ لوگ گاڑی کے اندر باہم انتہائی مہربان اور خوش اخلاق ہوں : وَاِنْ كَانَتْ فِیْ اَعْمَالِهَا بَرَّةٌ تَقِیَّةٌ ۔ لیکن خر کار عذابِ خدا کا سامنا کریں گے ' اپنی منزل نہیپا سکیں گے ۔

لہذا ' ایک ایسا معاشرہ جس کا انتظام و انصرام طاغوت کے ہاتھ میں ہو ' وہ اُس گاڑی کی مانند ہے جسے ایک غیر امین ڈرائیور چلا رہا ہو ' اُس معاشرے میں زندگی بسر کرنے والے انسان اپنے مقصد اور اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکیں گے اور مسلمان نہیں رہ سکیں گے ۔

اب سوال یہ پیش تا ہے کہ اِن حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے ؟

اِس سوال کا جواب قرنِ کریم کی یت دیتی ہے ' اور کہتی ہے :

”اِنَّ الدِّیْنَ تَوْفُّهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَلَمِیْ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضَعِّفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضٌ وَّاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا قَالُوْا لَیْسَ بِاُولٰٓئِکَ مَا وَاٰهُمُ جَهَنَّمُ وَ سَاَتْنَا مَصِیْرًا۔“ (۳)

قرنِ کریم فرماتا ہے : وہ لوگ جنہوں نے اپنے پ پر ' اپنے مستقبل پر اور اپنی ہر چیز پر ظلم کیا ہے ' جب اُن کی موت قریب تی ہے ' تو اُن کی روح قبض کرنے پر مامور خدا کے فرشتے اُن سے پوچھتے ہیں ! فِیْمَ كُنْتُمْ ۔ تمکس حال میں تھے ؟ کہاں تھے ؟

جب سمانی فرشتہ یہ دیکھتا ہے کہ اس انسان کی حالت اسقدر خراب ہے ' جب وہ اُس طبیب یا اُس جراح کی

مانند جو ایک بیمار کے معالجے کے لئے تاہے ' یہ دیکھتا ہے کہ بیمار کی حالت بہت خراب ' افسوس ناک اور مایوس کن ہے ' تو کہتا ہے : تم کہاں پڑے ہوئے ہو؟ تمہاری یہ حالت کیسے ہو گئی ؟

ہمیں یہ محسو س ہوتا ہے کہ ملائکہ اس بیچارے کی بری حالت پر ' اسکی روح کی خستگی پر ' اس بدبختی اور عذاب پر جو اس کا منتظر ہے ' تعجب کرتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں : تم نے کہاں زندگی بسر کی ہے ؟ تم کہاں تھے جو تم نے اپنے پ پر اس قدر ظلم کیا اور اب اپنے نفس پر ظلم کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو رہے ہو ؟

وہ جواب میں کہتے ہیں :

”قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ۔“

ہم زمین پر جن لوگوں کے درمیان زندگی بسر کر رہے تھے ' ان میں لاچار تھے ' ہم بے اختیار عوام میں سے تھے ۔ مستضعفین معاشرے کا وہ گروہ ہوتے ہیں جن کے اختیار میں معاشرہ نہیں ہوتا ۔ یہ لوگ مجبور و لاچار ہوتے ہیں ۔ یہ لوگ معاشرے کی پالیسیوں ' اسکی راہ و روش ' اسکی سمت و جہت ' اسکی حرکت ' اسکی سکون اور اسکی سر گرمیوں کے سلسلے میں کوئی اختیار نہیں رکھتے ۔

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ' یہ لوگ اُس سمت چل پڑتے ہیں جہاں اُن کی رسی کھینچنے والا چاہتا ہے ' منہ اُٹھائے اسکی پیچھے چلے جاتے ہیں ' انہیں کہیں جانے اور کچھ کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا ۔ نرسری کلاس کے چند بچوں کو فرض کیجئے ۔ اُن بچوں کو نہیں جن کی عمر سات برس ہو چکی ہے ' کیونکہ ج کل سات برس کے بچوں کی نکھیں اور کان بھی ان باتوں سے بہت اچھی طرح سنا ہیں ۔ چار پانچ سال کے بچوں کو پیش نظر رکھئے ' جنہیں گزشتہ زمانے کے مکتب خانوں کی مانند ج نرسری اسکولوں میں بٹھا دیتے ہیں ۔ ہمیں وہ مکتب یاد تا ہے جس سے ہم چھٹی کے وقت اکٹھے باہر نکلتے تھے ۔ اصلاً ہمیں سمجھ نہیں ہوتی تھی کہ ہم کہاں جا رہے ہیں ' بچوں کو بھی پتا نہیں ہوتا تھا کہ کون سی چیز کہاں ہے ۔ ایک مانیٹر ' یا ایک ذرا بڑا لڑکا ہماری رہنمائی کرتا تھا کہ اِس طرف جاؤ ' اُس طرف نہ جاؤ ۔ ہمیں بالکل خبر ہی نہیں ہوتی تھی کہ ہم کہاں چلے جا رہے ہیں ' اچانک پتا چلتا تھا کہ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے ہیں یا اپنے دوست کے گھر کے دروازے پر موجود ہیں ۔ اب اگر کبھی اُس مانیٹر کا دل چاہتا کہ ہمیں گلی کوچوں میں پھرائے ' تو یکبارگی ہم دیکھتے کہ مثلاً ہم فلاں جگہ ہیں ۔

زمین پر مستضعف لوگ وہ ہیں جنہیں ایک معاشرے میں رہنے کے باوجود اس معاشرے کے حالات کی کوئی خبر نہیں ہوتی ۔ نہیں جانتے کونسی چیز کہاں ہے ۔ نہیں جانتے کہ کہاں چلے جا رہے ہیں اور یہاں سے چل کر کہاں پہنچیں گے ' اور کون انہیں لئے جا رہا ہے ' اور کس طرح یہ ممکن ہے کہ وہ اس کے ساتھ نہ جائیں ' اور اگر نہ جائیں تو انہیں کیا کام کرنا چاہئے ۔

انہیں بالکل پتا نہیں ہوتا ' بالکل بھی متوجہ نہیں ہوتے ' اور بالکل کولہو کے بیل کی طرح جس کی نکھیں بند ہوتی ہیں ' جو مسلسل چل رہا ہوتا ' جو اسی طرح چلتا رہتا ہے اور گھومتا رہتا ہے ۔ اگر یہ حیوان کچھ سمجھ پاتا تو خود سے تصور کرتا اور کہتا کہ اِس وقت مجھے پیرس میں ہونا چاہئے ۔ لیکن جب غروبِ فتاب کے قریب اُسکی نکھیں کھولتے ہیں ' تو وہ دیکھتا ہے کہ وہ تو وہیں کھڑا ہے جہاں صبح کھڑا تھا ۔ اسے بالکل پتا نہیں ہوتا کہ کہاں چلا ہے ' نہیں جانتا کہ کہاں جا رہا ہے ۔

البتہ یہ بات اُن معاشروں سے متعلق ہے جو صحیح نظام پر نہیں چلائے جاتے ' اور انسان کی کسی حیثیت اور قدر و قیمت کے قائل نہیں ہوتے ' اُن معاشروں سے متعلق نہیں جو انسان اور انسان کی رائے کی عزت اور احترام کے قائل ہیں ' اُس معاشرے سے تعلق نہیں رکھتی جس کے قائد پیغمبرہ ہیں ' جن سے قرنِ کریم کہتا ہے

کہ: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ (۴) باوجود یہ کہ پ خدا کے رسول ہیں ' باوجود یہ کہ پ کو لوگوں سے مشورے کی ضرورت نہیں ' پھر بھی پ کو حکم دیا جاتا ہے کہ لوگوں سے مشورت کریں اور انہیں عزت و احترام دیں ' انہیں حیثیت دیں۔ ایسے معاشروں کے عوام لاعلم اور بے شعور نہیں ہوتے۔

تاہم وہ معاشرے جو مرانہ ' ظالمانہ ' یا جاہلانہ نظام پر چلائے جاتے ہیں ' وہاں کے اکثر لوگ مستضعف ہوتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں : كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ (ہم زمین پر مستضعفین میں سے تھے) انہوں نے ہمیں اسی طرح کھینچا ' اٹھایا اور پٹخ دیا ' ہمیں قدموں تلے پامال کیا ' بے برو کیا۔ لیکن ہمیں پتا ہی نہ پہنچا۔ وہ یہ عذر پیش کرتے اور یہ جواب دیتے ہیں۔

ان کے جواب میں ملائکہ کہتے ہیں :

” اَلَمْ تَكُنْ اَرْضًا وَّاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا۔“

کیا پروردگار کی زمین یہیں تک محدود تھی ؟

کیا پوری دنیا صرف اسی معاشرے تک محدود تھی جس میں تم مستضعف بنے زندگی بسر کر رہے تھے ؟ کیا خدا کی زمین وسیع نہیں تھی ' کہ تم اس قید خانے سے نکل کر ایک زاد خطہ ارضی میں چلے جاتے ' جہاں تم خدا کی عبادت کر سکتے ' ایک ایسی سرزمین پر جہاں تم اپنی صلاحیتوں کا استعمال صحیح راستے پر کر سکتے ۔

کیا دنیا میں ایسی کوئی جگہ نہیں تھی ؟

اس جواب سے پتا چلتا ہے کہ ملائکہ کی منطق اور عقلمند انسانوں کی منطق بالکل یکساں ہے۔ انسان کی عقل بھی یہی کہتی ہے :

” اَلَمْ تَكُنْ اَرْضًا وَّاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا۔“

”کیا خدا کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔“

اب اُن کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا ' وہ بیچارے کیا کہیں ' پتا ہے اُن کے پاس اس کا کوئی معقول جواب نہیں ہے۔ لہذا قرنِ کریم ان بیچاروں کے انجام کے بارے میں کہتا ہے :

” فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ سَاءَتْ أُمُورًا مَّصِيرًا۔“

وہ مستضعفین جن کی قوتیاور صلاحیتیں طاغوتوں کے ہاتھ میں تھیں ' اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے ' اور یہ انسان کے لئے کیسا بُرا ٹھکانہ اور انجام ہے ۔

البتہ یہاں بھی ایک استثنا پایا جاتا ہے ' کہ سب کے سب لوگ ہجرت نہیں کر سکتے ' تمام لوگ اپنے پ کو جاہلی نظام کی اس قید سے نجات نہیں دلا سکتے ۔ کچھ لوگ ناتواں ہیں ' کچھ بوڑھے ہیں ' کچھ بچے ہیں ' کچھ عورتیں ہیں ' جن کے لئے ہجرت ممکن نہیں ہے ۔

لہذا یہ لوگ مستثنا کئے جاتے ہیں :

” إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانَ لَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيَلًا وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا۔“

”سوائے اُن ضعیف و ناتواں مردوں ' عورتوں اور بچوں کے جن کے پاس کوئی چارہ نہیں اور جن سے کچھ نہیں بن پڑتا ۔“ (سورہ نساء - بیت ۹۸)

ان کے پاس خطہ نور ' خطہ اسلام اور خدا کی عبودیت کی سر زمین کی جانب نے کی کوئی راہ نہیں ' اور جو کچھ نہیں کر سکتے۔

” فَأُولَٰئِكَ عَسَىٰ أَن يَغْفُوَ عَنْهُمْ۔“

”پس وہ لوگ جو کچھ نہیں کر سکتے‘ امید ہے خداوند متعال اُنہیں معاف کر دے۔“
”وَكَانَ أَغْفُورًا غَفُورًا.“

”اور خدا درگزر اور مغفرت کرنے والا ہے۔“ (سورہ نساء - یت ۹۹)

اسکے بعد وہ لوگ جن کے لئے یہ خطاب حجت ہے‘ یہ نہ سمجھیں اور اُن کے ذہن میں یہ خیال نہ اُٹے کہ ہجرت اُن کے لئے بدبختی‘ ضرر اور نقصان کا باعث ہوگی‘ اور وہ بار بار اپنے پ سے یہ نہ پوچھیں کہ مثلاً ہمارا کیا بنے گا؟ کیا ہم کچھ کر بھی سکیں گے یا نہیں؟ کیا کچھ حاصل بھی ہو گا یا نہیں؟
 ایسے لوگوں کے جواب میں قرآن مجید فرماتا ہے:

”وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاعًا كَثِيرًا وَسَعَةً.“ ”اور جو بھی راہ خدا میں ہجرت اختیار کرتا ہے‘ وہ زمین میں بہت سے ٹھکانے اور وسعت پاتا ہے۔“ (سورہ نسا ۴- یت ۱۰۰)

دنیا اسکے لئے پرواز کا ایک کھلاسمان ثابت ہوتی ہے‘ اور وہ زادی کے ساتھ اس میں پرواز کرتا ہے۔ نظام جاہلی میں ہم کتنا ہی اونچا اُڑتے‘ پنجرے سے اونچا نہیں اُڑ سکتے تھے‘ لیکن اب ایک حیرت انگیز وسیع و عریض افق ہمارے سامنے ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور کے بیچارے مسلمان مسجد میں بڑی مشکل سے نماز پڑھ پاتے تھے‘ اگر جذبہ ایمانی زیادہ ہی جوش مارتا تو مسجد الحرام میدو رکعت نماز ادا کر پاتے‘ اسکے بعد اُنہیں بُری طرح زدو کوب ہونا پڑتا۔ اُس دور میں یہی مسلمان کی انتہا تھی‘ اس سے زیادہ نہیں۔ لیکن جب ان لوگوں نے ہجرت کی اور زاد

سر زمین میں‘ اسلامی معاشرے اور ولایتِ الہی کے تحت زندگی بسر کرنے لگے‘ تو دیکھا کہ یہ ایک عجیب جگہ ہے : **يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ (۵)**

یہاں پر لوگوں کا مقام و مرتبہ یہ قرن اور تقویٰ اور عبادت کے ذریعے متعین اور معلوم ہوتا ہے۔ جو شخص راہ خدا میں زیادہ جدو جہد اور زیادہ خدا کی عبادت انجام دے‘ جہاد اور راہِ خدامیں خرچ کرے‘ وہ زیادہ بلند مرتبہ ہے۔ کل کے مکی معاشرے میں‘ اگر کسی کو پتا چل جاتا کہ فلاں شخص نے راہ خدا میں ایک درہم دیا ہے‘ تو اسے گرم سلاخوں سے ایذا پہنچائی جاتی تھی‘ شکنجوں میں کس کر اسے گ سے جلایا جاتا تھا۔ لیکن جب انہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی‘ اور مدینۃ الرسول میں چلے اُٹے‘ تو دیکھا کہ کیسی کھلی فضا اور پرواز کی جگہ ہے‘ کس طرح انسان حسبِ دل خواہ پرواز کر سکتا ہے:

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاعًا كَثِيرًا وَسَعَةً (اور جو کوئی راہ خدا میں اور الہی اور اسلامی معاشرے کی طرف ہجرت کرتا ہے‘ وہ بکثرت ٹھکانے پاتا اور وسعتوں سے ہمکنار ہوتا ہے)

اب اگر تم نے راہ خدا میں دار الکفر سے دار الہجرہ کی جانب حرکت کی‘ اور درمیانِ راہ میں خدا نے تمہاری جان لے لی‘ تب کیا ہوگا؟

قرآن کہتا ہے : اس وقت تمہارا اجر و پاداش خدا کے ذمے ہے۔ کیونکہ تم نے اپنا کام کر دیا‘ جو فریضہ تم پر واجب تھا اسے انجام دے دیا‘ اور تم نے حتی الامکان کوشش اور جدوجہد کی۔ اسلام یہی چاہتا ہے‘ اسلام چاہتا ہے کہ ہر انسان اپنی توانائی کے مطابق‘ جتنی وہ صلاحیت رکھتا ہے اتنی‘ اور جتنی اسکی استطاعت ہے اتنی راہ خدا میں جدوجہد کرے۔

”وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ أَغْفُورًا رَحِيمًا.“ (۶)

توجہ رکھئے گا کہ کیونکہ یہ گفتگو ولایت کے موضوع پر خری گفتگو ہے‘ یہ بحث تقریباً دہی باقی رہتی ہے‘ لہذا ہم اس نکتے کو عرض کرتے ہیں کہ ہجرت دار الکفر‘ غیر خدا کی ولایت‘ شیطان اور طاغوت کی ولایت سے

دارالہجرہ ' دارالایمان ' ولایتِ الہی کے زیرِ فرمان ' ولایتِ امام کے زیرِ فرمان ' ولایتِ پیغمبر اور ولایتِ ولی الہی کے زیرِ فرمان سرزمین کی جانب ہوتی ہے۔ لیکن اگر دنیا میں ایسا کوئی خطہ ارضی موجود نہ ہو، تو کیا کیا جانا چاہئے ؟

کیا دارالکفری میں پڑے رہنا چاہئے ؟

یا ایک دارالہجرہ ایجاد کرنے کے بارے میں سوچنا چاہئے ؟

خود پیغمبر اسلام نے بھی ہجرت کی۔ لیکن پیغمبر کے ہجرت کرنے سے پہلے ایک دارالہجرہ موجود نہیں تھا، پ نے اپنی ہجرت کے ذریعے ایک دارالہجرہ ایجاد کیا۔

کبھی کبھی یہ بات ضروری ہو جاتی ہے کہ لوگوں کا ایک گروہ اپنی ہجرت کے ذریعے دارالایمان کی بنیاد رکھے ' ایک الہی اور اسلامی معاشرہ بنائے ' اور پھر مومنین وہاں ہجرت کریں۔

حوالے ۱۔ کیا تم نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کی نعمت کو کفر ان نعمت سے تبدیل کر دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے سپرد کر دیا اور دوزخ جو بدترین ٹھکانہ ہے ' اس میں جا پڑے۔ (سورہ ابراہیم ۱۴۔یت ۲۸'۲۹) ۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے : خدا ایسی امت کو عذاب دینے میں شرم محسوس نہیں کرتا جو ایسے امام کی تابع ہو جو خدا کی طرف سے نہیں ' اگرچہ وہ اپنے اعمال میں نیکو کار اور پرہیز گار ہو۔ بے شک خدا ایسی امت کو عذاب دینے میں شرم محسوس کرتا ہے جو خدا کی جانب سے مقرر کردہ امام کی تابع ہو ' اگرچہ اپنے اعمال کے حوالے سے ظالم اور بدکردار ہو۔ (اصول کافی - ج ۲۔ ص ۲۰۶)

۳۔ وہ لوگ جو اپنے پ پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں ' جب فرشتے اُن کی روح قبض کرتے ہیں ' تو اُن سے پوچھتے ہیں: تم کس حال میں مبتلا تھے ؟ وہ کہتے ہیں: ہم زمین میں لاچار بنا دیئے گئے تھے۔ فرشتے کہتے ہیں: کیا خدا کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ پس اِن لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بدترین منزل ہے۔ (سورہ نسا ۴۔یت ۹۷)

۴۔ اور معاملات و امور میان سے مشورہ کرو۔ (سورہ ل عمران ۳۔یت ۱۵۹)

۵۔ سورہ مومنون ۲۳۔یت ۶۱

۶۔ اور جو کوئی خدا اور رسول کی جانب ہجرت کے ارادے سے اپنے گھر سے نکلے اور راستے میں اسے موت جائے ' تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (سورہ نسا ۴۔یت ۱۰۰)